قرآن کا تصورِ حق اور سیرت نبویہ میں اس کے عملی مظاہر (ارتباطی مطالعہ)

ڈاکٹر اعجاز احمد*

The Holy Quran has given the basic principles to lead life. It is necessary/essential to know Islamic concept of "HAQ". Righteousness to understand these principles because Allah Almighty Himself is Righteous-self. And the system of whole universe is based on Righteousness. Righteousness itself is a way on which worldly and follow up success can be achieved/destined Allah Almighty has arranged/planned the welfare of Human beings by bestowing the Holy Book to Holy Prophet(SAW). Therefore a system was organized based on this guidance through the life of Holy Prophet(SAW). The Holy Prophet(SAW) elaborated the same enlightened. Righteousness in every aspect of life. The Holy Prophet (SAW) became a Model for this grand task and delivered the message of Righteousness practically to humanity without any change. The story Righteousness has been presented in a particular order in the following essay. So that humanity may be aware of familiar of this system of Righteousness through this study.

لغوی مفہوم

لفظ حق کے معنی مطابقت اور مکمل موافقت کے ہیں۔جیسے دروازے کی چول اُس کے گڑھے میں اسطرح بیٹھ جائے کہ استقامت کے ساتھ اُس میں گھومتی رہے۔عبرانی میں اس لفظ کے معانی یہ ہیں لکڑی، پتھر یا دھات میں کھودنا، نقش کرنا۔۱۔

اصطلاحی مفہوم: امام رازی نے حق کے معانی بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

الثابت الذی لا یسوع انکارہ۔۔یعنی حق وہ ہے جس کا انکار نہ ہو سکے۔۲۔

اور حق الامر اذا ثبت و وجب۔یعنی جب کوئی امر واجب الوجوب اور ثابت ہو تو اس کے لئے حق الامر کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔۳۔

قرآن مجید میں یہ لفظ دو سو ستائیس دفعہ استعمال ہوا ہے۔اسکی جہات مختلف ہیں اس لفظ کا کینوس بہت وسیع ہے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور۔

بعض مقامات پر اسکا استعمال حسنی باری تعالی کے لئے ہوا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا۔۔۔مولٰھم الحق۔۴۔

ایک جگہ فرمایا۔ فذالکم اللہ ربکم الحق۔۵۔ یا فتعل اللہ الملک الحق۔۶۔

پھر کہا گیا ذلک بان اللہ ھو الحق۔۷۔

اس لفظ کو کبھی نصیحت کے معنوں میں استعمال کیا گیا۔ واتواصوا بالحق۔۸۔

قرآن مجید موازنے کی کتاب بھی ہے اس میں الفاظ ومضامین، افراد وافکار، نظریات وخیالات اور انفرادی اور اجتماعی رویوں کو بھی مد مقابل لا کر خوب واضح کیا جاتا ہے۔

چنانچہ لفظ حق کے مقابلے پر لفظ باطل ہے جیسے جاء الحق وزھق الباطل۔۹۔

اسی طرح نظام کائنات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وما خلقنا السموت والارض الا بالحق۔۱۰۔

اسی طرح قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کے لئے بھی لفظ حق استعمال ہوا ہے۔ جیسے ان الرسول حقا۔۱۱۔

جو دین آپؐ لیکر آئے اُسکو بھی حق کہا گیا۔ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق۔۱۲۔

قرآن حکیم نے حق و باطل کو دو مختلف نظام ہائے حیات قرار دیا ہے۔ اور اُنکو خلط ملط کرنے سے منع فرمایا۔ حکم ہوا۔ ولا تلبسوا الحق بالباطل۔۱۳۔

لفظ حق کے سلسلے میں ایک نہایت لطیف نکتہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ جب لفظ حق کا استعمال اللہ تعالی کے اسماء الحسنٰی کے طور پر ہو تو اس کا سب سے اچھا اور قریب ترجمہ حقیقی (Real) یا حقیقت (Reality) ہے اور اس کا ترجمہ صدق (The Truth) کرنا جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا ہے شاید صحیح نہیں۔ چنانچہ اہل زبان میں سے جو لوگ سند ہیں۔ اُنہوں نے حق اور صدق کے درمیان جو کذب کی ضد ہے بڑی احتیاط سے امتیاز کرتے ہوئے یہ اصول قائم کیا ہے کہ حق اور صدق کو صرف اُس مواقع پر مترادف سمجھنا چاہیے جب اُن کا استعمال "حکم" کے سلسلے میں ہو۔ لھذا اگر کوئی واقعہ درحقیقت پیش آیا ہو تو اُسے حق کہا جائے گا۔ لیکن جب "حق" بطور اسم باری تعالی استعمال ہوتا ہے۔ تو اُسکی تشریح بالعموم اُس کے خالق ہونے ہی سے کی جاتی ہے۔

چنانچہ "حق" کو ہمیشہ خلق کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے۔

اصل بات یہی ہے کہ حق کا لفظ مصدر ہے۔ اور کسی صفت کے لئے مصدر کا استعمال یہ بتانے کے لئے آتا ہے کہ اس وجود میں وہ صفت حد کمال کو پہنچی ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کو حق اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ سراسر سچا اور الثابت المتحقق ہے اور وہ اشیاء کو اُس کے مطابق جو واجب ہے اور اقتضائے حکمت کے مطابق وجود میں لانے والا

ہے۔اور اُس کے فیصلے حق اور صدق ہی ہوتے ہیں اور اُس کے کام جور اور باطل سے منزہ ہیں۔۱۴۔
اسی طرح زندگی کی ازلی و ابدی صداقتوں کو بھی حق قرار دیا ہے۔قرآن مجید نے اس پر اصرار کیا کہ اللہ رب العزت کے سوا کوئی یہ ہدایت فراہم نہیں کرسکتا۔

ارشاد ہوا:

قل هل من شركائكم من يهدى الى الحق Oقل الله يهدى الى الحق Oافمن يهدى الى الحق احق ان يتبع من لا يهدى الاان يهدى فمالكم كيف تحكمون O.۱۵.

ترجمہ:ان سے پوچھئے تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے۔جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو۔کہئے کہ صرف اللہ ہے۔جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔پھر بھلا بتاؤ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اسکا زیادہ مستحق ہے کہ اُسکی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا الا یہ کہ کی رہنمائی کی جائے۔آخر تمھیں ہو کیا گیا ہے۔کیسے اُلٹے اُلٹے فیصلے کرتے ہو؟ مولانا مودودیؒ بطور نظام حیات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے،جس کو ذرا تفصیل سے سمجھ لینا چاہیے۔دُنیا میں انسان کی ضرورتوں کا دائرہ صرف اسی حد تک محدود نہیں ہے۔کہ اسکو کھانے ،پینے ،پہننے ،اور زندگی بسر کرنے کا سامان بہم پہنچے اور آفات ، مصائب اور نقصانات سے وہ محفوظ رہے بلکہ اُس کو ایک ضرورت (اور در حقیقت سب سے بڑی ضرورت) یہ بھی ہے کہ اُسے دُنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ بھی معلوم ہو اور وہ جانے کہ اپنی ذات کے ساتھ ،اپنی قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ ،اُس سروسامان کے ساتھ جو روئے زمین پر اُس کے تصرف میں ہے۔اُن بے شمار انسانوں کے ساتھ ،جن سے مختلف حیثیتوں میں اُس کو سابقہ پیش آتا ہے۔اور مجموعی طور پر اس نظام کائنات کے ساتھ ،جس کے ماتحت رہ کر ہی بہر حال اُسے کام کرنا ہے۔وہ کیا اور کسطرح معاملہ کرے جس سے اُس کی زندگی بحیثیت مجموعی کامیاب ہو اور اُسکی محنتیں اور کاوشیں غلط راہوں پر صرف ہو کر تباہی و بربادی پر منتج نہ ہوں۔
اسی صحیح طریقہ کا نام حق ہے۔اور جو رہنمائی اس طریقہ کی طرف انسان کو لے جائے وہی "ہدایت حق " ہے۔
اب قرآن مشرکین سے اور اُن سب لوگوں سے جو پیغمبر کی تعلیم ماننے سے انکار کرتے ہیں۔
یہ پوچھتا ہے کہ تم خدا کے سوا جن جن کی بندگی کرتے ہو۔ان میں سے کوئی ہے جو تمھارے لئے "ہدایت

حق" حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہو یا بن سکتا ہو؟

ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی کے سوا اور کچھ نہیں۔۱۶۔

عقل انسانی نے جب جب وحی الٰہی سے صرف نظر کیا ہمیشہ ٹھوکر کھائی اور گمراہی و ضلالت کے پاتال میں جا گری۔ اپنے ہی جیسے زندہ، مردہ لوگوں کے سامنے یا فرضی دیوی، دیوتاؤں کے آگے جبین نیاز جھکانے کے عمل نے حیات انسانی کو انفرادی اور اجتماعی طور پر بڑے خسارے سے دوچار کیا ہے۔

سید مودودیؒ نے اسی نکتے کو نہایت تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔

"انسان خدا کے سوا جن کی بندگی کرتا ہے وہ دو بڑی اقسام پر منقسم ہیں ایک وہ دیویاں، دیوتا اور زندہ، مردہ انسان جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ سو اُن کی طرف تو انسان کا رُجوع صرف اس غرض کے لئے ہوتا ہے۔ کہ فوق الفطری طریقے سے وہ اُسکی حاجتیں پوری اور اُسکو آفات سے بچائیں۔ رہی ہدایت حق تو وہ نہ کبھی اُن کی طرف سے آئی نہ کبھی کسی مشرک نے اس کے لئے اُن کی طرف رُجوع کیا اور نہ کوئی مشرک یہ کہتا ہے کہ اُس کے یہ معبود اُسے اخلاق، معاشرت، تمدن، معیشت، سیاست، قانون، عدالت وغیرہ کے اُصول سکھاتے ہیں۔

دوسرے وہ انسان جن کے بنائے ہوئے اُصولوں اور قوانین کی پیروی و اطاعت کی جاتی ہے۔ سو وہ رہنما تو ضرور ہیں مگر سوال یہ کہ کیا فی الواقع وہ "رہنمائے حق" بھی ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ کیا اُن میں سے کسی کا علم بھی اُن تمام حقائق پر حاوی ہے جن کو جاننا انسانی زندگی کے صحیح اُصول وضع کرنے کے لئے ضروری ہے؟ کیا ان میں سے کسی کی نظر بھی اس پورے دائرے پر پھیلتی ہے۔

جس میں انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل پھیلے ہوئے ہیں۔

کیا ان میں سے کوئی بھی اُن کمزوریوں سے، اُن تعصبات سے، اُن شخصی یا گروہی دلچسپیوں سے، اُن اغراض و خواہشات سے اور اُن رجحانات و میلانات سے بالاتر ہے جو انسانی معاشرے کے لئے منصفانہ قوانین بنانے میں مانع ہوتے ہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے اور ظاہر ہے کوئی صحیح الدماغ آدمی ان سوالات کا جواب اثبات میں نہیں دے سکتا۔

تو آخر یہ لوگ ہدایت کا سرچشمہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ ۔۱۷۔

مولانا مودودیؒ نظام حق کو فراہم کرنے کے سرچشمے کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہوئے آخری دلیل یوں دیتے ہیں۔

اسی بناء پر قرآن سوال کرتا ہے کہ لوگو! تمھارے ان مذہبی خداؤں تمدنی خداؤں میں کوئی ایسا بھی ہے جو براہ

راست حق کی طرف تمہاری رہنمائی کرنے والا ہو۔ یہ سوال دین و مذہب کے پورے مسئلے کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ انسان کی ساری ضروتیں دو ہی نوعیت کی ہیں۔

ایک نوعیت کی ضروریات یہ ہیں کہ کوئی اُس کا پروردگار ہو، کوئی ملجا و ماوٰی ہو کوئی دُعاؤں کا سننے والا اور حاجتوں کا پورا کرنے والا ہو جس کا مستقل سہارا۔ اس عالم اسباب کے بے ثبات سہاروں کے درمیان رہتے ہوئے وہ تھام سکے۔ سو اس ضرورت کو پورا کرنے والا خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔

دوسری نوعیت کی ضروریات یہ ہیں کہ کوئی ایسا رہنما ہو جو دُنیا میں زندگی بسر کرنے کے صحیح اُصول بتائے اور جس کے دیئے ہوئے قوانین کی پیروی پورے اطمینان و اعتماد کے ساتھ کی جا سکے۔ دلائل سے ثابت ہے کہ وہ بھی صرف خدا ہے۔ اس کے بعد ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ جس کی بناء پر انسان مشرکانہ مذاہب اور لادینی (Secular) اُصول تمدن و اخلاق و سیاست سے جڑا رہے۔

رسول اکرمؐ کا قلب اطہر کلام حق کے نور سے جلوہ گاہ حق بنا۔ بارگاہ ایزدی سے آپکو آشنائی حق عطا ہوئی۔ قرآنی تصور حق سے شاہراہ حیات انسانی کو روشن تر کرنے کے لئے آپؐ کی ذات بابرکات سے لمحہ لمحہ چراغ جگمگائے۔ انسانیت کو اُسی تصور حق سے شناسا کرنا فریضہ رسالت کا اوّلین مقصد قرار پایا۔ تاکہ بھٹکے ہوئے قافلے کو نشان منزل نظر آ سکے۔ دین حق کو بطور نصاب حیات پیش کرنا اور پھر اسے عملی مظاہر سے آراستہ کرکے یہ ثابت کرنا کہ یہ طرز حیات محض خالی خولی اخلاقی نصائح نہیں بلکہ قوت عمل سے مزین ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله۔۔۔۔۔۔۱۸۔

ترجمہ : وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو بُرا ہی لگے۔

منجمد ذہنوں اور مادی خواہشات سے مغلوب قلوب کے سامنے جب یہ روشنی پیش کی گئی۔ تو اُنکی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اُنہوں نے اپنے جذبات کا کھلم کھلا اظہار کیا اور پھر ظلمت پرستوں نے اس روشنی کا راستہ مسدود کرنے کے لیے اپنی تمامتر صلاحیتوں بکل میسر وسائل اور تمام وقت کو مخالفت کی آگ جلا کر اس میں جھونک دیا۔

راہ حق میں مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ لیکن رسول اکرمؐ کو ساتھ ہی ساتھ مقابلے کی قوت فراہم ہو رہی تھی۔

وتواصو بالحق کی ذمہ داری دی گئی تو ساتھ ہی ساتھ واتو صو بالصبر کا وظیفہ کامیابی بھی عطا کیا گیا۔ آپؐ نے انتہائی ترتیب اور تدریج کے ساتھ قدم بہ قدم سفر حق طے کرتے ہوئے قیامت تک کے لئے اس راہ کے مسافروں کو

ہدایت و رہنمائی میسر کرنے کا سامان کیا۔

آپ ؐ تھکے نہیں، بھٹکے نہیں، دامنِ صبر ہاتھ سے چھوڑا نہیں، اور اس راستے پر کبھی ڈگمگائے نہیں۔

نعیم صدیقی اُس حسنِ ترتیب اور انقلابی کلمہ حق جس کا اظہار کامل رسول محتشمؐ کی ذات سے ہوا اُسکی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

پیغمبر انسانیت نے کسی اعتقاد کسی نظریہ اور کسی نقشۂ فکر کے بغیر اصلاح و تعمیر کا کام یونہی شروع نہیں کر دیا۔ محض ایک مبہم جذبہ نہ تھا، کوئی جنونِ خام نہ تھا، بلکہ حضور کون و مکاں کی عظیم ترین سچائی کی مشعل لے کر اُٹھے۔ انتہائی حساس قلب کے ساتھ برسوں حضورؐ نے زندگی کے صفحے پر کاوشیں کی تھیں۔ غارِ حرا کی خلوتوں میں مدتوں اپنے اندرون کا مطالعہ بھی کیا اور بیرونی عالم پر بھی غور کیا۔ تمدن کے صلاح و فساد کے اُصولوں کو سمجھنے میں بھی دماغ کھپایا لیکن عملی اقدام اُس وقت تک نہیں جب تک کہ علمِ الٰہی نے آپؐ کے قلب کو حقیقت سے منور نہیں کر دیا۔ اور سب سے بڑی سچائی آپؐ کے سامنے بے نقاب نہیں ہوگئی۔ سب سے بڑی سچائی یہ ہے کہ کائنات کا ایک خدا ہے اور انسان اُس کا بندہ ہے۔ یہی کلمہ حق حضورؐ کے انقلاب کا بیج تھا۔ اسی بیج سے صالح زندگی اور صحت مند تمدن کا وہ شجرِ طیبہ نمودار ہو سکتا تھا۔ جس کی شان یہ ہے کہ اُس کی جڑیں زمین میں گہری اُتری ہوئی ہیں۔

قرآن مجید میں رسول اللہؐ کی حق شناسی کے ابتدائی مرحلے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا۔ **ووجدك ضالا فهدى**۔۱۹۔

اور تمھیں راہِ حق کے لئے سرگرداں پا کر ہدایت کی راہ دکھلائی۔ اسی راہِ ہدایت کو دوسرے افراد و معاشرہ اور پھر اس دائرے کو پھیلاتے ہوئے پوری انسانیت کو اس کے محیط میں لانا تھا۔ اس کے لئے جس احساس ذمہ داری کی ضرورت تھی وہ ابتدا ہی رسولِ حق کی فکر میں بدرجہ اتم موجود تھا۔

نعیم صدیقی کہتے ہیں۔

جو نظریے اور دعوتیں تمدن میں انقلاب برپا کرنے کے لئے اُٹھیں اُن کے اسلحہ خانہ فکر میں دلیل اور اپیل کی طرح تنقید بھی درجہ اول کی اہمیت رکھتی ہے۔

صرف احقاق حق پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا بلکہ ابطال باطل بھی واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ ابطال باطل کے بغیر احقاق حق بھی پوری طرح نہیں ہو پاتا۔ یہاں خدا پر ایمان لانا اور طاغوت سے کفر کرنا لازم و ملزوم ٹھہرتا ہے۔ یہاں امر بالمعروف تنہا نہیں کیا جا سکتا بلکہ نہی عن المنکر بالکل متوازی طور پر کرنا پڑتا ہے۔ یہاں الا اللہ کہنے کے لئے

ضروری ہے کہ پہلے لا الہ پکارا جائے۔۲۰۔

حق ظاہر ہوتے ہی پیروان باطل کے مختلف رویے سامنے آتے ہیں۔امام غزالیؒ ان رویوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

رسول رحمت کا سامنا یہود و نصاریٰ، مشرکین اور منافقین سے تھا۔جو جانتے بوجھتے ہوئے مخالفت حق پر تلے ہوئے تھے۔کہتے ہیں کہ یہ بہت بری عادت ہے کہ حق کے مقابلے پر اپنی بات بڑی سمجھی جائے۔اس سے نفرت کی جائے اور حق کے سلسلے میں جھگڑے پسند کیے جائیں۔مناظرہ کرنے والے کے نزدیک بدترین بات یہ ہوتی ہے کہ فریق ثانی کے منہ سے حق بات نکل جائے اگر ایسا ہو جائے تو اُسے تسلیم نہیں کرتا بلکہ پوری قوت سے اُسکی تردید کرتا ہے اور اس سلسلے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیتا ہے۔

یہاں تک کہ حق بات کا انکار اُسکی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔جب بھی کوئی امر حق کان میں پڑتا ہے طبیعت کا تقاضہ ہوتا ہے کہ اس کا انکار کیا جائے۔قرآن کریم کے دلائل اور شرعی الفاظ و اصطلاحات میں بھی وہ اپنی خباثت سے باز نہیں آتا۔بلکہ اتنا جری ہو جاتا ہے کہ ان پر بھی اعتراضات شروع کر دیتا ہے۔۲۱۔

رسول اکرمؐ نے فاصدع بما تؤمر اور بلغ ما انزل الیك کی تعمیل میں عمل کی ایسی تفسیر پیش کی کہ آج اور قیامت تک جادہ حق پر چلنے والوں کے لیے مینارہ نور وجود میں آ گیا۔

پھر ان آیات کا مطلع اللہ بزرگ و برتر کی آواز میں ایک آسمانی ندا پر مشتمل ہے۔جس میں نبی کو اس عظیم و جلیل کام کے لئے اُٹھنے اور نیند کی چادر پوشی اور بستر کی گرمی سے نکل کر جہاد و کفاح اور سعی و مشقت کے میدان میں آنے کے لئے کہا گیا ہے۔یاایھا المدثر قم فانذر۔۲۲۔اے چادر پوش! اُٹھ اور ڈرا۔

صفی الرحمٰن مبارکپوری اس جان جوکھوں والے سفر کی روداد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ جسے اپنے لئے جینا ہے وہ تو راحت کی زندگی گزار سکتا ہے۔لیکن آپؐ جو اس زبردست بوجھ کو اُٹھا رہے ہیں۔تو آپ کو نیند سے کیا تعلق؟ آپ کو راحت سے کیا سروکار؟ آپ کو گرم بستر سے کیا تعلق؟ پرسکون زندگی سے کیا نسبت؟ رحمت بخش ساز و سامان سے کیا واسطہ؟ آپ اُٹھ جایئے اُس کار عظیم کے لئے جو آپ کا منتظر ہے۔اُس بار گراں کے لئے جو آپ کی خاطر تیار ہے۔اُٹھ جایئے! جہد و مشقت کے لئے تکان اور محنت کے لئے اُٹھ جایئے کہ اب نیند اور راحت کا وقت گزر چکا۔آج سے پیہم بیداری ہے۔اور طویل پرمشقت جہاد ہے اُٹھ جایئے اور اس کام کے لئے مستعد اور تیار ہو جایئے۔۲۳۔

سید قطب شہید اسی سفر حق کی تفصیلات کے متعلق کہتے ہیں۔

نبی محترمؐ نے پیغام حق کو قرآن مجید کی روشنی میں پھیلانے کے لئے جب جہد مسلسل کا آغاز کر دیا اور پھر کلمہ حق لا الہ الا اللہ کی ترویج کے لیے جس کوشش کو اختیار کیا اُسکی تصویر کشی کرتے ہوئے سید قطب شہید رقمطراز ہیں۔ پھر رسول اللہ اُٹھ گئے اور بیس سال سے زیادہ عرصے تک اُٹھے رہے۔ راحت وسکون تج دیا۔ زندگی اپنے لئے اور اھل وعیال کے لئے نہ رہی۔ آپؐ اُٹھے تو اُٹھے ہی رہے۔ کام اللہ کی طرف دعوت دینا تھا۔ آپؐ نے یہ کمر توڑ بارگراں اپنے شانے پر کسی دباؤ کے بغیر اُٹھالیا۔ یہ بوجھ تھا اس روئے زمین پر امانت کبری کا بوجھ، ساری انسانیت کا بوجھ۔ سارے عقیدے کا بوجھ۔ اور مختلف میدانوں میں جہاد ودفاع کا بوجھ۔

آپؐ نے بیس سال تک پیہم اور ہمہ گیر معرکہ آرائی میں زندگی بسر کی اور اس پورے عرصے میں یعنی جب آپؐ نے وہ آسمانی ندائے جلیل سنی اور یہ گراں بار ذمہ داری پائی آپ کو ایک حالت کی دوسری حالت سے غافل نہ کر سکی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۴۴۔

رسول اکرمؐ مھبط وحی الٰہی نے فریضہ حق کی ادائیگی کے لئے آپؐ نے مکمل شرح صدر سے تبلیغ حق کا آغاز کیا پھر اس راہ میں آنے والی ہر مشکل کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

باطل پوری قوت کے ساتھ مقابلے پر آیا اور اُس کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب باری باری آزمائے لیکن کوئی ایک بھی ہدف حاصل نہ کر سکا۔ رسولؐ نے خود اور اپنے تربیت یافتہ اصحاب نے کونسا ستم ہے جس سامنا نہ کیا۔ لیکن کوئی تکلیف اُنھیں راہ حق سے بھٹکا نہ سکی۔ تین سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد آسمانی حکم نازل ہوا۔

وانذر عشیرتک الاقربین۔۴۵۔

رسول اکرمؐ نے اس حکم کے بعد بنی ھاشم کو دعوت پر بلایا۔ لیکن ابولھب نے بات کرنے کا موقع نہ دیا۔ دوسری مرتبہ پھر کوشش کی اور آپؐ نے دعوت حق پیش کی۔

قرآن مجید داعی الی الحق کو صبر کی تلقین کی ہے۔ اور دعوت حق کو تسلسل سے پیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ سیرت مطہرہ کے مکی سال اس کا بین اظہار ہیں کہ آپؐ نے نہایت جانفشانی کے ساتھ فریضہ شہادت حق سرانجام دیا۔ اور اس راہ کی کسی مشکل کو خاطر میں نہیں لائے۔ رسول اکرمؐ نے اس بھرپور قوت والی دعوت کو نہایت پر اثر طریقے سے پیش کیا۔ نصرت الٰہی کے ساتھ ساتھ قوت عمل نے اس دعوت کی پشتی بانی کی۔ اللہ رب العزت نے ہر لمحے اپنے بندے کی حفاظت فرمائی۔ مکی دعوت کے تیرہ سال صبر وتحمل، بردباری واستقامت اور کشمکش حق وباطل کے سال تھے۔ ہجرت کے بعد منظر بدل گیا۔

قرآن مجید کی تعلیمات یہی ہیں کہ دعوت حق کا ابتدائی خاکہ تیار کرنے کے بعد خواہ مخواہ لیت ولعل سے کام نہ لیا

جائے۔ بے جا انتظار بسا اوقات منزل کو کھوتا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ دین حق کو زندگی کے ہر پہلو میں نافذ کر کے دکھانا اور اُس کے اثرات وثمرات کو زمانے کی نگاہ کے سامنے پیش کرنا فرض اولین قرار پاتا ہے۔ پس رسول اکرمؐ ہجرت کے بعد فوراً مدینہ کی ریاست کا قیام عمل میں لائے اور ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اُس قیام کے بعد اس ریاست کا دائرہ دعوت میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ جہاں جہاں حق پہنچا، باطل کو راہِ فرار اختیار کرنا پڑی۔ خالی نماز، روزے، پر تو اعتراض باطل محال ہے۔ مسئلہ تو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں قانون حق کے نفاذ کا مرحلہ آتا ہے۔ سید مودودیؒ کہتے ہیں۔ دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز قائم کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اللہ کا قانون اور نظام شریعت قائم کرنا بھی ہے۔ جہاں یہ چیز قائم نہ ہو۔ نماز اگر قائم ہو بھی تو گویا ادھورا دین قائم ہوا۔ جہاں اُسکو رد کر کے دوسرا قانون اختیار کیا جائے وہاں کچھ اور نہیں خود دین اللہ رد کر دیا گیا۔۲۶۔

رسول اللہؐ نے راہِ حق میں جس ایثار اور قربانی کا اُسوہ پیش کیا قرآن کریم اُس کس محرک تھا۔ آپؐ نے پہلے اپنی ذات کو پیش کیا اور پھر قرآنی حکمت کے زیر سایہ ایسا انقلاب برپا کیا جس کے اثرات روز افزوں ہیں۔ آپؐ کے تربیت یافتہ افراد نے چشمِ عالم کو ایسے مناظر دکھائے جو نہ صرف حیران کن تھے بلکہ قیامت تک کے لئے ایک مکمل انقلاب حق کی نوید بنے۔ سید مودودیؒ نے جادہ حق پر چلنے والوں کے لئے اس انقلاب کی تصویر کشی کچھ یوں کی ہے۔

1۔ ان کی بیوی حضرت خدیجہؓ حجاز کی سب سے زیادہ مال دار عورت تھیں۔ اور وہ ان کے مال سے تجارت کرتے تھے۔ جب اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو آنحضرت ﷺ کا سارا تجارتی کاروبار بیٹھ گیا۔ کیونکہ ہمہ تن اپنی دعوت میں مصروف ہو جانے اور تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لینے کے بعد یہ کام نہ چل سکتا تھا۔

جو کچھ پچھلا اندوختہ تھا اس کو میاں اور بیوی دونوں نے اس تحریک کو پھیلانے پر چند سال میں لٹا دیا۔ آخر کار نوبت یہاں تک آئی کہ جب آنحضرت ﷺ اپنی تبلیغ کے سلسلے میں طائف تشریف لے گئے تو وہ شخص جو کبھی حجاز کا ملک التجار کہلاتا تھا اُس کی سواری کے لئے ایک گدھا تک میسر نہ تھا۔

2۔ قریش کے لوگوں نے آنحضرتؐ کے سامنے حجاز کی حکومت کا تخت پیش کیا۔ کہا کہ ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیں گے۔ عرب کی حسین ترین آپؐ کے نکاح میں دیں گے۔ دولت کے ڈھیر آپؐ کے قدموں میں لگا دیں گے۔ بشرطیکہ آپؐ اس تحریک سے باز آ جائیں۔ مگر وہ شخص جو انسان کی فلاح کے لئے اُٹھا تھا، اس نے سب پیش کشوں کو ٹھکرا دیا اور گالیاں اور پتھر کھانے پر راضی ہو گیا۔

3۔ قریش کے اور عرب کے سرداروں نے کہا کہ محمدؐ! ہم تمہارے پاس کیسے آ کر بیٹھیں اور تمہاری باتیں کیسے

سنیں جب کہ تمہاری مجلس میں ہر وقت غلام، مفلس، معاذ اللہ کمین لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں جو سب سے نیچے طبقے کے لوگ ہیں ان کو تم نے اپنے گردو پیش جمع کر رکھا ہے۔ انہیں ہٹاؤ تو ہم تم سے ملیں گے۔ مگر وہ شخص جو انسانوں کی اونچ نیچ برابر کرنے آیا تھا۔ اس نے رئیسوں کی خاطر غریبوں کو دھتکارنے سے انکار کر دیا۔

4۔ اپنی تحریک کے سلسلے میں آنحضرتؐ نے اپنے ملک، اپنی قوم، اپنے قبیلے، اپنے خاندان، کسی کے مفاد کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ اسی چیز نے دُنیا کو یقین دلایا کہ آپؐ انسان بحیثیت انسان کی فلاح کے لئے اُٹھے ہیں۔ اور اسی چیز نے آپ کی دعوت کی طرف ہر قوم کے انسانوں کو کھینچا۔ اگر آپؐ اپنے خاندان کی فکر کرتے تو غیر ہاشمیوں کو اس فکر سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ اگر آپؐ اس بات کے لئے بے چین ہوتے کہ قریش کے اقتدار کو تو کسی طرح بچالوں، تو غیر قریشی عربوں کو کیا پڑی تھی کہ اس کام میں شریک ہوتے؟ اگر آپؐ عرب کی برتری کے لیے اُٹھتے تو حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ، اور فارس کے سلمانؓ کو کیا پڑی تھی کہ اس کام میں آپ کا ساتھ دیتے؟ دراصل جس چیز نے سب کو کھینچا وہ خالص خدا پرستی تھی۔ ہر ذاتی، خاندانی، قومی، وطنی غرض سے مکمل بے لوثی تھی۔

5۔ مکہ سے جب آپ کو ہجرت کرنی پڑی تو وہ تمام امانتیں جو دشمنوں نے آپؐ کے پاس رکھوائی تھیں، حضرت علیؓ کے سپرد کر کے نکلے کہ میرے بعد ہر ایک امانت اس کو پہنچا دینا۔ دُنیا پرست ایسے موقع پر جو کچھ ہاتھ لگتا ہے ،لیکر چل دیتے ہیں۔ مگر خدا پرست نے اپنی جان کے دُشمنوں اور اپنے خون کے پیاسوں کا مال بھی اُنہیں واپس پہنچانے کی کوشش کی، اور اس وقت کی جب کہ وہ اس کے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ اخلاق تھا جس کو دیکھ کر عرب کے لوگ دنگ رہ گئے ہوں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب وہ دو سال کے بعد میدان بدر میں آنحضرتؐ کے خلاف لڑنے کھڑے ہوئے ہوں گے تو ان کے دل اندر سے کہہ رہے ہوں گے کہ یہ تم کس سے لڑ رہے ہو؟ اس فرشتہ خصلت انسان سے جو قتل گاہ سے رخصت ہوتے وقت بھی انسانوں کے حقوق اور امانت کی ذمے داری کو نہیں بھولتا؟ اس وقت ان کے ہاتھ ضد کی بنا پر لڑتے ہوں گے۔ مگر ان کے دل اندر سے بھیج رہے ہوں گے۔ عجب نہیں کہ بدر میں کفار کی شکست کے اخلاقی اسباب میں بھی یہ ایک سبب ہو۔

6۔ تیرہ برس کی شدید جدو جہد کے بعد وہ وقت آیا جب مدینہ میں اسلام کا ایک چھوٹا سا اسٹیٹ قائم کرنیکی نوبت آئی۔ اس وقت ڈھائی تین سو کی تعداد میں ایسے کارکن فراہم کر چکے تھے جن میں سے ایک ایک اسلام کی پوری تربیت پا کر اس قابل ہو چکا تھا کہ جس حیثیت میں بھی اُسے کام کرنے کا موقع ملے۔

مسلمان کی حیثیت سے انجام دے سکے۔ اب یہ لوگ ایک اسلامی اسٹیٹ کو چلانے کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ

وہ قائم کر دیا گیا۔ دس برس تک رسول اکرمؐ نے اس اسٹیٹ کی رہنمائی کی اور اسی مختصری مدت میں ہر شعبۂ حکومت کو اسلامی طرز پر چلانے کی پوری مشق ان لوگوں کو کرادی۔ یہ دور اسلامی آئیڈیالوجی کے ایک مجرد تخیل (abstract idea) سے ترقی کر کے ایک مکمل نظام تمدن بننے کا دور ہے جس میں اسلام کے انتظامی، تعلیمی، عدالتی، معاشی، معاشرتی، مالی، جنگی بین الاقوامی پالیسی کا ایک ایک پہلو واضح ہوا۔ ہر شعبۂ زندگی کیلئے اُصول بنے۔ ان اُصولوں کو عملی حالات پر منطبق کیا گیا۔ اس خاص طرز پر کام کرنے والے کارکن تعلیم اور تربیت اور عملی تجربے سے تیار کیے گئے۔ اور ان لوگوں نے اسلام کی حکمرانی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ آٹھ سال کی مختصر مدت میں مدینہ جیسے ایک چھوٹے سے قصبے کا اسٹیٹ پورے عرب کی سلطنت میں تبدیل ہو گیا۔ جوں جوں لوگ اسلام کو اس کی عملی صورت میں اور اس کے نتائج کو محسوس شکل میں دیکھتے تھے۔ خود بخود اس بات کے قائل ہوتے جاتے تھے۔ کہ فی الواقع انسانیت اس کا نام ہے اور انسانی فلاح اس چیز میں ہے۔ بدترین دشمنوں کو بھی آخر قائل ہو کر اسی مسلک کو قبول کرنا پڑا۔ جس کیخلاف وہ برسوں تک لڑتے رہے۔ خالدؓ بن ولید قائل ہوئے۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ قائل ہوئے۔ ابوسفیانؓ قائل ہوئے۔ قاتل حمزہؓ وحشیؓ قائل ہوئے۔ ہندؓ جگر خوار تک کو آخرکار اس شخص کی صداقت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا پڑا۔ جس سے بڑھ کر اس کی نگاہ میں کوئی مبغوض نہ تھا۔

7۔ غلطی سے تاریخ نگاروں نے غزوات کو اتنا زیادہ نمایاں کر دیا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ عرب کا یہ انقلاب لڑائیوں سے ہوا۔ حالانکہ پانچ سال کی تمام لڑائیوں میں، جن سے عرب جیسی جنگ جو قوم مسخر ہوئی۔ طرفین کے جانی نقصانات کی تعداد ہزار بارہ سو سے زیادہ نہیں ہے۔ انقلاب کی تاریخ اگر آپ کے پیش نظر ہے تو آپ تسلیم کرنا ہوگا۔

کہ یہ انقلاب غیر خونی انقلاب کہے جانے کا مستحق ہے۔ پھر اس انقلاب میں فقط ملک کا طریق انتظام ہی تبدیل نہیں ہوا، بلکہ ذہنیتیں بدل گئیں۔ نگاہ کا زاویہ بدل گیا، سوچنے کا طریقہ بدل گیا، زندگی کا طرز بدل گیا، اخلاق کی دُنیا بدل گئی، عادات اور خصائل بدل گئے۔ غرض ایک پوری قوم کی کایا پلٹ کر رہ گئی۔ جو زانی تھے وہ عورتوں کی عصمت کے محافظ بن گئے۔ جو شرابی تھے وہ منع شراب کی تحریک کے علم بردار بن گئے۔ جو چور اور اُچکے تھے ان کا احساس دیانت اتنا نازک ہو گیا کہ دوستوں کے گھر کھانا کھانے میں بھی ان کو اس بنا پر تامل تھا کہ مبادا ناجائز طریقے پر مال کھانے کا اطلاق اس فعل پر بھی نہ ہو جائے۔ حتیٰ کہ قرآن میں خود اللہ تعالیٰ کو اُنہیں اطمینان دلانا پڑا کہ اس طرح کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جو ڈاکو اور لٹیرے تھے وہ اتنے متدین

بن گئے کہ اُن کے ایک معمولی سپاہی کو پایہ تخت ایران کی فتح کے موقع پر کروڑوں کی قیمت کا تاج شاہی ہاتھ لگا۔ اور وہ رات کی تاریکی میں اپنے پیوند لگے ہوئے کمبل میں اسے چھپا کر سپہ سالار کے حوالے کرنے کے لئے پہنچا۔ تا کہ اس غیر معمولی واقعے سے اس کی دیانت کی شہرت نہ ہو جائے،

اور اس کے خلوص پر ریاکاری کا میل نہ آجائے۔ وہ جن کی نگاہ میں انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، جو اپنی بیٹیوں کو آپ اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کرتے تھے۔ ان کے اندر جان کا اتنا احترام پیدا ہو گیا کہ کسی مرغ کو بھی بے رحمی سے قتل ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ وہ جن کو راست بازی اور انصاف کی ہوا تک نہ لگی تھی ان کے عدل اور راستی کا یہ حال ہو گیا کہ خیبر کی صلح کے بعد جب ان کا تحصیل دار یہودیوں سے سرکاری معاملہ وصول کرنے گیا تو یہودیوں نے اس کو بیش قرار رقم اس غرض کے لیے پیش کی کہ وہ سرکاری معاملے میں کچھ کمی کر دے۔ مگر اس نے رشوت لینے سے انکار کر دیا اور یہودیوں کے درمیان پیداوار کا آدھا حصہ اس طرح تقسیم کیا کہ دو برابر کے ڈھیر آمنے سامنے لگا دیئے۔ اور یہودیوں کو اختیار دیا کہ دونوں میں سے جس ڈھیر کو چاہیں اُٹھا لیں۔ اس نرالی قسم کے تحصیل دار کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر یہودی انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور بے اختیار انکی زبان سے نکلا کہ اسی عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں۔

8۔ ان کے اندر وہ گورنر پیدا ہوئے جو گورنمنٹ ہاؤسوں میں نہیں بلکہ رعایا کے درمیان اُنہی جیسے گھروں میں رہتے تھے، بازاروں میں پیدل پھرتے تھے، دروازوں پر دربان نہ رکھتے تھے۔ رات دن میں ہر وقت جو چاہتا ان سے ملاقات کر سکتا تھا۔

9۔ ان کے اندر وہ قاضی پیدا ہوئے جن میں سے ایک نے ایک یہودی کے خلاف خود خلیفہ وقت کا دعویٰ اس بنا پر خارج کر دیا کہ خلیفہ اپنے غلام اور بیٹے کے سوا کوئی گواہ پیش نہ کر سکا۔

10۔ ان کے اندر وہ سپہ سالار پیدا ہوئے جن میں سے ایک نے دوران جنگ میں ایک شہر خالی کرتے وقت پورا جزیہ یہ کہ کر واپس دیدیا کہ ہم اب تمہاری حفاظت سے قاصر ہیں، لہٰذا جو ٹیکس ہم نے حفاظت کے معاوضے میں وصول کیا تھا اسے رکھنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔

11۔ ان میں وہ ایلچی پیدا ہوئے جن میں سے ایک نے سپہ سالارانِ ایران کے بھرے دربار میں اسلام کے اُصول مساواتِ انسانی کا ایسا مظاہرہ کیا اور ایران کے طبقاتی امتیازات پر ایسی برمحل تنقید کی کہ خدا جانے کتنے ایرانی سپاہیوں کے دلوں میں اس مذہب انسانیت کی عزت و وقعت کا بیج اسی وقت پڑ گیا ہوگا۔

12۔ ان میں وہ شہری پیدا ہوئے جن کے اندر اخلاقی ذمے داری کا احساس اتنا زبردست تھا کہ جن جرائم کی سزا

ہاتھ کاٹنے اور پتھر مار مار کر ہلاک کر دینے کی صورت میں دی جاتی تھی ان کا اقبال خود آ کر کرتے تھے اور تقاضا کرتے تھے کہ سزا دے کر انہیں گناہ سے پاک کر دیا جائے تا کہ وہ چور یا زانی کی حیثیت سے خدا کے سامنے پیش نہ ہوں۔

13۔ان میں وہ سپاہی پیدا ہوئے جو تنخواہ لے کر نہیں لڑتے تھے بلکہ اس مسلک کی خاطر جس پر وہ ایمان لائے تھے اپنے خرچ سے میدان جنگ میں جاتے اور پھر جو مال غنیمت ہاتھ لگتا وہ سارے کا سارا سپہ سالار کے سامنے لا کر رکھ دیتے تھے۔۲۷

قرآن مجید کے پیش کردہ تصورِ حق کو حرزِ جاں بنا کر رسول اللہؐ نے ایک خاص حسنِ ترتیب سے اسے قیامت تک کے لئے انسانی ہدایت کی خاطر پیش کر دیا۔

اب جان نثاران محمد ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہادت حق کے اس فریضہ کو ادا کریں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔اُردو دائرہ معارف اسلامی جلد ۸۔ص۔۴۳۷

۲۔رازی، فخر الدین، امام، تفسیر کبیر، جلد ۳، ص۔۳۰۴

۳۔اُردو دائرہ معارف اسلامی، جلد ۸، ص۔۴۳۸

۴۔الانعام ۶:۶۲

۵۔یونس ۱۰:۳۲

۶۔طٰہٰ ۲۰:۱۱۴

۷۔الحج ۲۲:۶

۸۔العصر ۱۰۳:۳

۹۔بنی اسرائیل ۱۷:۸۱

۱۰۔الحجر ۱۵:۲۶

۱۱۔آل عمران ۳:۸۶

۱۲۔الصف ۶۱:۰۹

۱۳۔البقرہ ۰۲:۴۲

۱۴۔اُردو دائرہ معارف اسلامی جلد ۸۔ص۔۴۳۸

۱۵۔ یونس۱۰:۳۵

۱۶۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن

۱۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن

۱۸۔ الصف ۶۱:۰۹

۱۹۔ الضحیٰ ۹۳:۰۷

۲۰۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص۔ ۴۹۸

۲۱۔ غزالی، امام، احیاء العلوم، جلد اول، ص۔ ۹۴

۲۲۔ المدثر ۷۴:۱۰۳

۲۳۔ مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم۔ ص۔ ۱۰۴

۲۴۔ قطب شہید فی ظلال القرآن

۲۵۔ الشعراء ۲۶:۲۱۳

۲۶۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامی ریاست (فلسفہ، نظام کار اور اُصول حکمران) اصلاحی پبلی کیشنز۔ ص۔ ۱۱۷

۲۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامی ریاست (فلسفہ، نظام کار اور اُصول حکمران) اصلاحی پبلی کیشنز

☆☆☆☆☆